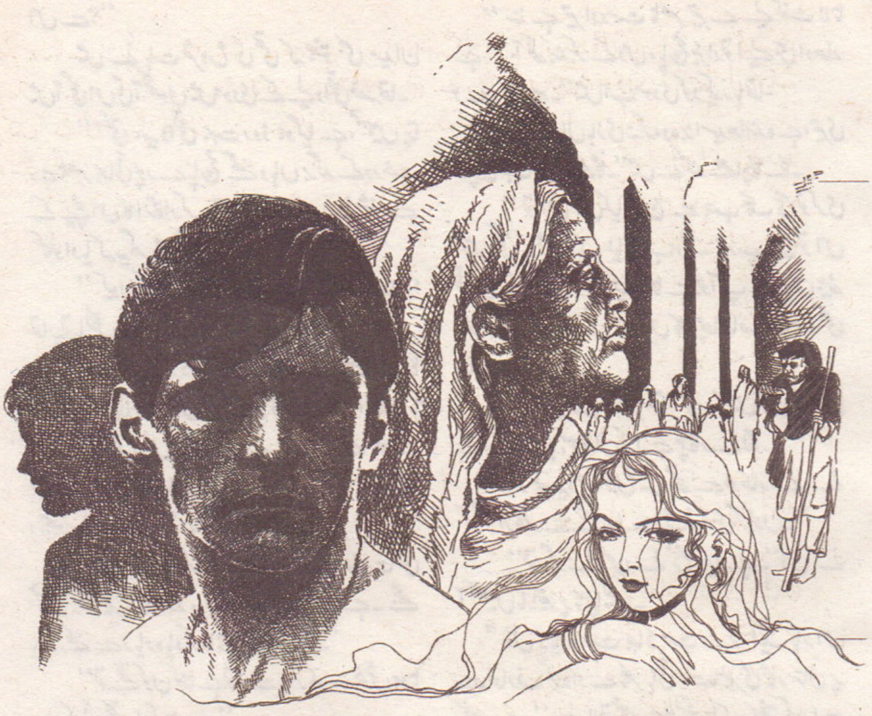

بوجھ

سعدیہ عزیز آفریدی

ناصر، مودی کا دوست تھا۔ ایسا دوست جو خود آپ سے لپٹ جائے کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ اور مودی اس سے ایسے بھاگتا جیسے حکومت ملتے ہی سیاست دان عوام سے بھاگتا ہے۔ میں کتنی آنکھیں دکھاتا، جنتو اسے ہونہہ، ہونہہ کا راگ دیتی لیکن مجال ہے جو مودی کے کانوں پہ جوں رینگتی۔ ایک دن وقت ملا تو میں نے اس سے پوچھ ہی لیا۔

"کیا بگاڑا ہے آخر ناصر نے... کیوں بھاگتے ہو

اس سے؟''

میں نے بات شروع کی تھی کہ جنتو بھی میدان میں آ گئی اس کی آنکھوں میں مودی کے لیے واقعی غصہ تھا۔

''مفتی، یہ واقعی بہت روڈ ہو گیا ہے، تمہیں پتا ہے ناصر بھائی پورے پانچ گھنٹے وہاں برگد کے درخت کے نیچے اس کا انتظار کرتے رہے اور اس نے شنو سے کہلوا دیا کہ یہ گھر میں نہیں۔''

''کیوں کرتا ہے اتنا مس بی ہیو؟'' مجھے اچنبھا ہوا تھا یہ تو بالکل ہی نئی بات تھی۔

مودی نے گردن یوں جھکا لی تھی جیسے اس کا اسپرنگ ڈھیلا ہو کر اس کی گردن کا وزن نہیں اٹھا پا رہا ہو۔

''پتا نہیں بس مجھے شیرے میں لتھڑے ہوئے لوگوں سے چڑ ہو جاتی ہے جو زبردستی کہتے ہیں مجھے دیکھو، مجھے یاد کرو۔'' وہ ناگواری سے بولا۔

''مجھے نہیں یاد کرنا کسی کو...... میری عادت ہی نہیں بلکہ میرے اندر یہ ایک حسیاتی فالٹ ہے۔ مجھے یاد رکھنے سے زیادہ یاد کروانا اچھا لگتا ہے۔''

''تو تجھے کون کہتا ہے تو اسے یاد رکھ...... خوش ہوتا رہے کوئی تجھے یاد کرتا ہے۔''

''تم دونوں ہی کتنے خبیث ہو، کسی کی محبت کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔'' جنتو بولی۔

''جنتو بس او یار...... یہ محبت شحبت نہیں ہوتی ہے مجھ سے۔''

''ہاں بس راجا اندر بنا کے رکھو تم دونوں کو...... تو مزے میں رہتے ہو جہاں لگے کچھ دینا ہے فوراً بنیے بن جاتے ہو۔''

میں نے اسے دیکھا میری آنکھوں میں بنیے سے جیسے کوئی گرہ کھلی تھی اور جنتو صدمے سے مجھے دیکھنے لگی تھی۔

''مفتی' میں تجھے اتنا کھاؤ پیر نہیں سمجھتی تھی تو تو خسیس بنیے سے بھی گیا گزرا ہے۔''

ہم اتنے ہی گہرے دوست تھے کہ وہ میری آنکھوں سے ان کے رنگ بدلنے سے میرے دل کی اتھا جان جاتی تھی۔

''سنا ہے تیرا دوست ناصر تیرے لیے گفٹ لاتا ہے...... آنکھ بند کر کے دس، پانچ ہزار تو ایسے ہی ادھار دے دیتا ہے۔'' میں اب مودی کو دیکھ رہا تھا۔

''مفتی چال بازی نہ کر، وہ بڑا سیدھا بندہ ہے، تیری اوپری محبت کو سچ سمجھے گا۔'' میں نے کندھے اچکائے۔

''تو اس میں کیا حرج ہے جب تک نئی نوکری نہیں لگتی یہ بھی ایک نیا تجربہ ہو گا۔ یورپ میں تو اس طرح کے لوگوں کو ہائر کیا جاتا ہے جو آپ کے پاس بیٹھ کر صرف آپ کو سنیں اور اس کا اچھا خاصا مشاہرہ بھی ملتا ہے۔''

''تو کبھی نہیں سدھر سکتا مفتی۔'' میں ہنس پڑا اس کے گلے میں باہیں ڈال کر اسے چمکارنے لگا۔

''دیکھ یہ اچھا نہیں' میں تجھ سے ادھار لے، لے کر گزارہ کرنے کے بجائے ایک نوکری کر لوں۔''

''تو کر لے کس نے منع کیا ہے۔'' اس نے آنکھیں ماتھے پر پہنچا لیں۔

''چل زیادہ مت بھاؤ مت دے، ایک بار اس سے تعارف کروا دے پھر باقی سب میری کارستانی پر منحصر ہے۔'' وہ برملا تو نہیں بولا لیکن ایک ہفتے کی رات اس کے سارے دوست ایک بیچ ہٹ میں جمع ہوئے تو میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ ناصر بے حد خوش تھا کہ آج کی اس دعوت کو مودی نے قبول کیا تھا اور میں کبھی مودی کا منہ دیکھتا کبھی ناصر کا...... دونوں کے درمیان جیسے کوئی باریک تار تنی ہوئی تھی جسے صرف ناصر دیکھ پا رہا تھا مودی کے چہرے پر بیزاری سی تھی میں یہاں اسے شیشے میں اتارنے آیا تھا لیکن جس طرح مودی کے دوست کی وجہ سے وہ میرا خیال رکھنے لگا تھا اس کی وجہ سے مجھے اپنا بنیا گیری کا پروگرام کینسل کرنا پڑا اور فجر میں جب ہم گھر واپس آئے تو میں نے اسے ایک کیس کی طرح سوچنا شروع کر دیا تھا۔

''اس کے آگے پیچھے کوئی ہے؟''

''دو بھائی ہیں، ایک بڑا ایک چھوٹا لیکن دونوں بھائی اس سے ناخوش رہتے ہیں۔'' مودی بیزار لہجے

میں بولا۔

''یہ بات ناصر نے کہی ہے؟''

''اگر کہی ہوتو؟''

مودی غصے میں ہوتا تو ہر سوال ہر بات کے جواب میں کاٹ کھانے کو دوڑتا۔ میں اسے دیکھنے لگا۔

''ہوتا تو کچھ نہیں۔'' لیکن پھر مجھے اپنی چہرہ شناسی نئے سرے سے ابھارنا پڑتی۔

''کیابات ہوئی؟''

وہ تجسس سے بیٹھ گیا اور میں نے خود کو داد دی مجھے مجمع لگانے میں بھی مہارت تھی اور سولو (انفرادی) پریکٹس میں بھی، مودی کی آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔

''بول ناں...... کیابات ہوئی۔''

''دیکھ جس طرح وہ سب کی غلطیوں کو چھپا رہا تھا، دوستوں میں بیٹھ کر بھی اپنے ریشہ دوانیاں مچاتے بزنس ڈیلز میں بھی کوئی نہ کوئی خوبی ڈھونڈ نکال رہا تھا، اس سے توقع نہیں کی جانی چاہیے کہ وہ اپنے خون کے رشتوں پر کوئی ہرزہ سرائی کرے گا؟''

''ہاں یہ بات اس نے نہیں کی اس کے بڑے بھائی نے کی تھی۔'' مودی نے کہتے ہوئے سر جھکالیا۔

''کیوں کہی تھی؟'' مجھے تجسس ہوا اور اس کردار پر مجھے ہر لحہ ایک نیا تجسس ہو رہا تھا۔

''اس کے بڑے بھائی کے بیٹے کا آپریشن تھا، انہوں نے اس سے رقم ادھار مانگی، اس نے کہا اس کے پاس نہیں ہے حالانکہ بینک اکاؤنٹ میں اس وقت اس کے پاس 10 لاکھ موجود تھے۔'' مودی کی آواز ہلکی تھی۔

''اچھا تو تیری نفرت اس وجہ توں ہے۔'' میں نے مودی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

مودی برا سا منہ بنا کے بولا۔ ''تو مفتی...... یہ کوئی چنگی گل اے، آپ اشرفیاں ویل کی طرح اڑادیں اور کوئلوں پر مہر لگا کر سینت سنبھال کر رکھیں۔''

''اچھا چل چھوڑ...... ہوگی اس کی بھی کوئی وجہ مجھے تو نہیں لگتا وہ بندہ اتنا خود غرض ہوگا۔''

''بس تجھے کوئی اچھا لگ جائے تو اس میں تو الہامی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں، اس بندے سے تو پھر خطا ہو ہی نہیں سکتی ناں۔'' مودی مجھے گھورنے لگا۔

مجھے ہنسی آگئی مودی ناراضی میں آج بھی بچوں جیسا تھا میں اس کے قریب ہوا۔

''اچھا یہ بتا اس کے بھتیجے کا علاج ہوا پھر؟'' مودی یوں چہرے پر تشکر لے آیا جیسے کوئی خیر کی خبر صرف اس کی دعا کی وجہ سے وقوع پزیر ہوئی ہو۔

''اس کے دوست نے وہ رقم دے دی۔ اور یہ کہہ کر دی دماغ پر پریشانی مت لیجیے گا بھائی، جب اضافی ہوں تو لوٹا دیجیے گا۔ ورنہ میں نے دل میں سوچ کر دیا ہے کہ یہ رقم آپ کو ہبہ کی ہے۔''

''چل نمبر لکھوا۔'' میں نے ایک دم سے اپنی نوٹ بک نکال لی۔

''کس کا۔'' وہ آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگا۔

''اسی دوست کا جس نے اتنی بڑھی رقم ہبہ کردی، سچی آج کل مجھے بھی ضرورت ہے۔''

''تجھ سے تو کوئی سنجیدہ بات کرنا حرام ہے۔'' وہ اٹھ گیا اور میں سوچنے لگا کہاں سے سرا پکڑوں کہ اس کے اندر کود جاؤں اور پھر باہر نکل کر بڑے یقین سے کہوں۔ ''سونیو ناصر تے بڑا چنگا منڈا اے۔''

''تو نے چنگا کوئی کام تو کیا نہیں، چل ایک کرلے تا کہ اللہ سائیں کو منہ دکھانے کے قابل ہو۔'' جنتو سے ڈسکس کیا تو اس نے مجھے دیکھا۔ ''مسلمان کسی کا تجسس کرے تو یہ برا ہے۔'' پھپھو تک خبر پہنچی تو ایک ہی ہنکارا ابھر آگیا۔

''لو پھپو...... اگر یہ سچ ہے تو پھر تو سارے میڈیا کو اپنا استعفیٰ دے کر تبلیغی جماعت کے ساتھ نکل جانا چاہیے۔'' نیوز ویور جو پھپو کے اندر چھپا بیٹھا تھا باہر نکل آیا۔

''صرف کسی انسان کا تجسس نہ کرو۔ خبریں ڈھونڈنے والے تو بڑا جہاد کر رہے ہیں...... نیوز نہ دیں تو ہم باخبر کیسے ہوں۔''

''بس سمجھیں پھر میں بھی جہاد کر رہا ہوں تا کہ جسے لوگ برا سمجھ کے خود سے دور رکھتے ہیں وہ اس کے

قریب آجائیں۔ رشتے داروں، اقربا کے ساتھ میل کروانا بھی تو نیکی کا کام ہے پھپو۔'' میں نے ان کی تائید چاہی۔

''شقو...... اس کی بات میں مت آنا، یہ دومونہی (دومنہ والا سانپ) ہے۔'' ابا اسی وقت اپنی ویل چیئر دھکیلتے ہوئے چلے آئے۔

ابا نے تو کمال مہربانی سے ایسی عزت افزائی کی کہ میں کافی دیر کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا لیکن پھر سنبھالا لے کر مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

☆☆☆

''میں نے سنا ہے کہ آپ کو ڈرائیور کی ضرورت ہے؟'' میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''جی ضرورت تو ہے اگر آپ کوئی تلاش کر کے دیں تو مہربانی ہوگی۔'' وہ مسکانے لگا۔

''تنخواہ کیا دیں گے؟'' وہ تھوڑا ہزل ہوا۔

''مفتی بھائی جو آپ کو مناسب لگے۔''

''تو لائیں چابی...... میں آٹھ ہزار پر راضی ہوں۔''

''اوہ...... آپ......'' وہ مجھ سے ایسے دور بھاگا جیسے مودی کریلے دیکھ کر کھانے سے دور بھاگتا ہے۔

''گھبرائیں نہیں ناصر صاحب، میرے پاس ڈرائیونگ لائسنس ہے اور مجھے ایف سکسٹین چلانے کا شوق نہیں...... آپ مجھ پر اعتبار کر سکتے ہیں۔'' میں مسکرایا۔

''بات وہ نہیں ہے مفتی بھائی، آپ مودی کے دوست ہیں، اس کے بھائی جیسے ہیں، میں کیسے آپ کو ملازمت دے سکتا ہوں۔ قسم سے مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا۔'' وہ وہیں برگد کے نیچے بیٹھ گیا میں نے شکل ایسی بنالی جیسے میں بہت ضرورت مند ہوں وہ بھی مجھے دیکھتا کبھی خود کو...... پھر وہ مراقبے میں چلا گیا۔ کافی دیر بعد اس نے سر اٹھایا۔

''ٹھیک ہے لیکن آپ ملازم نہیں ہوں گے میرے بلکہ میرے ساتھ بھائی کی طرح رہیں گے...... جب جتنے پیسوں کی ضرورت ہو آپ بس ایک دفعہ کہہ دیجیے گا۔ میں چیک لکھ دوں گا۔ اکاؤنٹ تو ہوگا ناں......'' میں نے امتحان میں فیل ہونے کے باوجود ساری ذمے داری استاد پر ڈالنے والے شاگرد کی طرح ہاں میں سر ہلایا۔

''جی بس اکاؤنٹ ہی ہے کبھی اس میں کچھ ڈالا نہیں۔'' اس نے ایک دم سے جیب سے دو ہزار نکالے اور میری ہپ پاکٹ میں رکھ دیے۔

''اماں کہا کرتی تھیں کسی کے ہاں واپسی میں خالی برتن نہ بھیجو...... بھلے پان کا پتا ہو لیکن کچھ نہ کچھ ضرور بھیجو...... میں پوچھتا پان کے پتے سے کیا ہوتا ہے، وہ بولتیں یوں تو ہمارے آقاؐ نے فرمایا ہے سات گھر دائیں سات گھر بائیں...... سات گھر سامنے کے، ساتھ گھر اس کے بائیں سب ہمارا پڑوس ہوتا ہے...... جو پکاؤ گنجائش ہو تو ضرور بھیجو...... سالن میں پانی یعنی شوربہ بڑھا لو تاکہ اپنے کھانے میں لوگوں کو شامل کرلو...... میں نے کہا اس قدر مہنگائی میں کہاں کوئی دے سکتا ہے تو بولیں۔ اگر کسی نے تمہارے پاس پڑوس کا پاس رکھ کر کچھ بھجوایا ہے تو پان کا پتا ہی رکھ دو، خالی برتن نہ بھیجو میں نے پھر پوچھا پان کا پتا ہی کیوں تو بولیں یہ ایک خاموش دعا ہوتی ہے کہ اللہ آپ کو ہرا بھرا رکھے۔'' اس نے مجھے دیکھا پھر مسکرایا۔

''اب نیا دور ہے اس لیے یہ میرا گیان ہے کہ اکاؤنٹ کو خالی نہیں رہنا چاہیے۔'' اس نے پوری کہانی اس بات کے لیے سنائی تھی۔ میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ شاید ایک نئی سی بات کر رہا تھا۔

''اس میں کیا رمز ہے؟'' میں نے سوال پوچھ لیا تو وہ مسکرانے لگا۔

''ہر چیز کی ایک میگنیٹک فیلڈ ہوتی ہے اچھے کو اچھا، برے کو برا، ہنسی کو ہنسی، خوشی کو خوشی...... غم کو جس طرح غم ڈھونڈ نکالتا ہے اسی طرح ہمیشہ اپنے پاس کچھ پیسے ضرور رکھو...... پیسے کو پیسہ مقناطیس کی طرح ضرور چمٹتا ہے۔'' اب وہ مجھے غور سے دیکھنے لگا تھا۔

''مفتی جس طرح تجھ میں اسرار ہے اسی طرح تجھ سے لوگ ٹکرائے جاتے ہیں تاکہ تو ہر شخص کی گرہیں کھولتا جا

اور چیخیں مارتا جا کہ تو نے ایک نیا عقدہ حل کیا ہے۔“

مجھے اس سے ایک دم ڈر لگا۔ یہ جو دکھتا ہے یہ وہ ہے نہیں...... اور ایسے لوگ بڑے خطرناک ہوتے ہیں سر سہلاتے، سہلاتے گال پر تھپڑ مارنے والوں کا تجربہ آج تک نہیں کیا تھا اور اس میں مجھے یہی انسان چھپا نظر آرہا تھا۔

”ایک بات یاد رکھ مفتی...... ناصر مغل...... کبھی کسی کی زندگی کا ناسور نہیں بن سکتا...... کسی کی زندگی میں دق بننے سے بہتر ہے مجھے لگتا ہے میں اس بندے کی زندگی سے نکل جاؤں...... اس لیے خاطر جمع رکھو تمہیں مجھ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“ اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”میں نے تو ایک جنرل سی بات کی تھی یورپ میں تو اس پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ آپ کے پاس وہ ہی سب کچھ ہوتا ہے جس کی طرف آپ کا اٹریکشن ہوتا ہے، مقناطیس کی طرح وہ چیز خود بخود آپ کے پاس بھاگی چلی آتی ہے۔“ مجھے جواب سے ایک نیا سوال سوجھا۔

”کبھی، کبھی ایسا بھی تو ہوتا ہے آپ خیر بانٹتے ہیں، محبت بانٹتے ہیں لیکن آپ کے حصے میں بدی اور نفرت آجاتی ہے کسی اور کے رکھے جانے والے حصے کی طرح۔“

”کسی اور کے لیے کیوں......؟ میں سمجھتا ہوں شکر گزار ہونا چاہیے بندے کو، خوشی آئے تو خوشی کو گلے لگاؤ۔ دکھ ملے تو اس سے دوستی کرو، محبت بانٹو، نفرت ملے تو اللہ سے محبت کا حصہ اور بڑھا دو۔ اپنا ضمیر مطمئن ہو تو پھر دنیا کچھ بھی کہے سکون رہتا ہے۔“

”ضمیر مطمئن ہو پھر بھی کسی کی الزام تراشی سے دل ایسے دکھتا ہے جیسے پہلی بار دھڑکا ہو......“ میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”یہ دکھتا ہے تبھی تو دکھے ہوئے دلوں کا خیال رکھنا آتا ہے۔ کوئی oppertunity ملتی ہے تو ذمّے داریاں بھی بڑھتی ہیں صبر کرنے اور کرتے رہنے کا گراف بھی بڑھایا جاتا ہے۔ محبت بانٹنے کا کام ہر ایک کے حصے میں نہیں آتا۔“

”یہ مختلف بندہ نظر ہی نہیں آتا ہے بھی۔“ میں نے دل میں سوچا اور اسی لیے میں نے چابی لے لی...... وہ مودی کا دوست ہونے کی وجہ سے پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کے بجائے میرے برابر بیٹھ گیا تھا۔

”مجھے شرمندگی ہوگی اگر لوگ سمجھیں گے کہ آپ میرے ڈرائیور ہیں۔“

”وہ تو میں ہوں آپ کا ڈرائیور......“ میں نے اس کے چہرے پر نگاہ گاڑھیں۔

”خواب میں بھی مت سوچیے گا ایسا...... ورنہ مجھے اپنے اس رویّے پر دکھ ہوگا جس کی وجہ سے آپ ایسا سوچنے پر مجبور ہوئے۔“

وہ بھی اپنی ساخت وعادت کا ایک الگ انسان تھا پھر اسی ڈرائیوری کی وجہ سے میرا اس کے گھر میں آنا جانا ہوگیا۔ اس گھر میں کوئی شخص اگر اس سے خوش تھا تو وہ اس کا ملازم خاص اکبر تھا۔ اکبر کو شاعری کا شوق تھا واجبی سا لیکن وہ خود کو بہت بڑا شاعر مانتا تھا۔ پہلی بار تو ڈرائیور سمجھ کر اس نے منہ ہی نہیں لگایا۔ پورچ سے آگے بڑھنے نہیں دیا لیکن جب ناصر مجھے خود ڈھونڈتا ہوا آیا تو اس کے کان کھڑے ہوئے۔

”یہ جب آئیں سمجھو میں آیا ہوں۔ ان کی عزت، خاطر داری میں کوئی کمی تو آئی تو میں سمجھوں گا میں نے آپ کو عزت دینے میں کوتاہی کی ہے۔“

”ایسے نہ بولو صاحب آپ تو ساتھ بٹھا کے کھانا کھلاتے ہو ایسا کوئی اور مالک نہیں ہوگا جیسے آپ۔“ ملازم بلبلا گیا۔

”مالک نہ بولو...... مالک صرف ایک ہے بس اس نے ہمیں دنیا میں پھیلا کر ایک دوسرے کے حصے میں جوڑ دیا ہے۔ ایک دوسرے کے کام ذمّے داری آپس میں بانٹ دی ہے۔ کسی کے حصے میں زیادہ ذمّے داریاں ہیں کسی کے حصے میں کم مگر ہیں سب اسی تنی ہوئی ڈوری سے منسلک۔“

میں بھی اس تنی ہوئی ڈوری پر چلنے لگا۔ اس کا بڑا بھائی اس لیے ناخوش تھا کہ ابا نے مرتے وقت ایسا کچھ

نہیں چھوڑا تھا کہ وہ اس کی کسی چیز پر کلیم کر سکتے، وہ کپڑے کے واجبی سے آڑھتی تھے۔ چھوٹا اس لیے ناخوش تھا کہ اس کی بیوی ہر بات میں اسے اس کے بھائی کی مثال دے کر کچھ کرنے کو کہتی... کچھ الگ کر جانے کی بات کیا کرتی تھی۔ چھوٹا زیادہ نہیں پڑھا تھا اس لیے بھی زیادہ تر ناصر کے زیرِ دام رہتا اور ان دونوں کی بیویاں آپس میں گٹھ جوڑ کرتیں کہ کیسے اس کی جیب سے پیسے نکلوائے جائیں...... ناصر ایک کیٹرنگ بزنس کی چین چلاتا تھا۔ جس کی مختلف جگہوں پر برانچز تھیں۔ اس نے اپنی ہر برانچ پر ایک جملہ لکھوایا ہوا تھا۔ ''اگر آپ کی جیب میں پیسے نہیں تو اللہ کے کھاتے سے کھانا کھائیں۔'' اس کی سخت ہدایات تھیں۔ اگر کسی کو کسی ملازم نے دھکے دے کر نکالا تو اس کی نوکری اسی وقت برخاستگی کی پٹری چڑھ جائے گی اس لیے اس معاملے میں سب احتیاط کرتے، ناصر نے ایسے لوگوں کے لیے الگ ہال کمرا اور اس کا داخلی اور خارجی راستہ الگ بنا رکھا تھا تاکہ اس کے ہوٹل میں آنے والے وہ لوگ جو صرف اسٹیٹس آئی سی یو میں بند تھے ان کی ایسے لوگوں کو دیکھ کر سانس نہ اکھڑ جائے۔

میں مودی کو جب یہ سب بتاتا تو وہ کہتا۔

''یہ سب اس کا دکھاوا ہے سب میں عظیم بننے کی چال بازی ہے۔''

جنتو چائے سامنے رکھ گئی تھی اس نے چائے کا ایک کپ اپنے ہونٹوں سے لگالیا۔'' یہ تو کیسے کہہ سکتا ہے...... میں نے تو آج تک اس کی عظمت کے گیت کسی چینل پر نہیں دیکھے۔''

''اس میں بھی اس کی کوئی چال ہوگی۔'' وہ اپنی رائے سے ایک انچ تو کیا ایک سوت بھر بھی ہلنے کو تیار نہیں تھا۔

''تو نے تو ایویں اس سے بیر باندھ لیا ہے۔'' مجھے ہنسی آنے لگی۔

''ایویں تو نہیں...... تم اس سے پوچھو...... اس میں اتنی اچھائی ہے تو پھر اس نے اپنے باپ کو ملازموں پر کیوں چھوڑا تھا...... اس کے ابا اولڈ ہوم میں کیوں جا کر مرے تھے۔''

''ملازموں میں بھلا کیوں؟ ناصر ان کا اکلوتا بیٹا تو نہیں...... اگر وہ کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو وہ سب بھی شامل تھے اس جرم میں......''

''وہ گھر اس کا ہے اس لیے اس گھر میں کون رہ سکتا ہے اس کا فیصلہ بھی وہ وہی کرے گا۔ اگر اتنی باپ کی محبت ہوتی تو ..... ساری آسائشیں چھوڑ کر رہتا ناں اپنے باپ کی دل جوئی میں۔'' مودی اینٹھے ہوئے انداز سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے غصہ دکھایا لیکن ناصر کے بت میں سے ایک کنکر ٹوٹ کر گر گیا تھا۔'' باپ کے ساتھ ایسا سلوک؟'' مجھے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

میں دوسرے دن اسے پک کرنے گیا تو وہ ہار پھول لیے میرا منتظر تھا۔'' آج جمعہ ہے...... آج کا دن میں قبرستان میں گزارتا ہوں۔'' میں نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔ آج اس کے چہرے پر عجیب سی تمکنت تھی جیسے آج وہ ناصر دوست نہیں ناصر باس بنا ہوا تھا لیکن ہمیشہ کی طرح اس نے اپنے لیے آج بھی دروازہ خود ہی کھولا تھا۔ پھول اس نے پچھلی سیٹ پر رکھے تھے اس کی آنکھوں پر کالے گلاسز لگے ہوئے تھے۔ اس نے دو قبروں کے درمیان بیٹھنے کی جگہ بنائی جیسے وہ دونوں میں سے کسی ایک کے دل کو بھی توڑنا نہ چاہتا ہو۔ اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک چھوٹا سا پنج سورہ نکالا اور رومال کو سر پر باندھ کر محبت اور حضوری سے پڑھنے لگا۔ اس کی آواز میں لحن تھا میں مبہوت ہو گیا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گیا پھر جب اس نے قبروں پر پھول چڑھا دیے تو حسرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

''ابا نے ابھی تک مجھے معاف نہیں کیا۔'' مجھے مودی کی بتائی بات پر نئے سرے سے دکھ ہونے لگا۔ ''تو کیا واقعی اس نے اپنے ابا کو گھر سے نکال دیا تھا؟'' یہ سوال میں نے اس وقت کیا جب اسے اپنے ہاتھ سے ایک جگہ لنگر بانٹتے دیکھا، یہ اس کے ہر جمعے کا کیا جانے

والا عمل تھا۔ میں نے اس کے چہرے کی سنجیدگی سے ڈرے بغیر بے ساختہ پوچھا۔

''ابا کو کیوں نکالا؟''

اس کے ہاتھ کانپ گئے آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے لنگر کا کام اپنے اسسٹنٹ کے سپرد کر دیا اور خود کار میں آ بیٹھا۔

''کیا مجھے بھی نہیں بتاؤ گے سچائی کیا ہے؟''

''فائدہ کیا ہے بہتر نہیں باقی رسوائیوں کی طرح یہ رسوائی بھی میں اپنے ساتھ لے جاؤں۔'' اس نے میری طرف دیکھا۔

''اچھا ناں مجھے بتا دو، وعدہ کرتا ہوں تیری زندگی کا کوئی راز تیری زندگی میں افشا نہیں کروں گا۔'' اس نے مجھے تولنے والی نظروں سے دیکھا۔

''ابا اور میں غصے کے تیز تھے۔''

''تم غصے کے تیز...... میں نہیں مان سکتا۔'' مجھے حیرت ہوئی۔

''ہر کہانی کے پیچھے جس طرح کوئی نہ کوئی موٹو ہوتا ہے اسی طرح ہر تبدیلی کے پیچھے کوئی نہ کوئی کہانی ہوتی ہے۔'' وہ ہنسا۔

''تیری کیا کہانی ہے؟''

''ابا گورنمنٹ ملازم تھے عہدہ بھی وزیر کے پرسنل سیکرٹری کا تھا۔ سو ان میں غرور بھی تھا اور بانک پن بھی...... اماں، ابا کے گھر میں دوسرے درجے کی شہری بن کر رہ رہی تھیں۔ پھر اچانک ابا دوسری شادی کر کے ایک نئی عورت کو گھر لے آئے۔ میں بہت چیخا چلّایا اماں نے منہ پر ہاتھ رکھ کے چپ کروایا۔ لیکن دوسرے درجے کا شہری جب تیسرے چوتھے درجے میں ٹرانسفر ہوا تو میں 17 سال کا تھا جب میں گھر سے نکل گیا...... اماں کی وجہ سے ظلم کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اور چپ رہنا سرشت میں نہیں تھا سو بہتر یہی تھا کہ میں خود اس ماحول سے نکل آتا۔ گھر سے نکلتے وقت اماں نے بڑی آوازیں دیں، دروازے تک ہاتھ پکڑنے آئیں لیکن ایسا جنون تھا کہ ان کی ایک نہ چلی...... سب سے چھوٹا تھا سب سے زیادہ کٹھنائیاں دیکھیں 17 برس میں...... میں نے سترہ ہزار نوکریاں بدلیں پھر ایک ہوٹل میں لگ گیا ترقی کرتے، کرتے ایک پانچ ستارہ ہوٹل میں ملازم ہو گیا...... یہ ایک بین الاقوامی ہوٹل تھا اس لیے سب کو میرا پڑھائی کے ساتھ نوکری کرنا ایڈمائر کرتا۔ وہاں سب میرے لیے آسانیاں پیدا کرتے پھر ایک دن اچانک ابا اس ہوٹل میں چلے آئے میری ان کی ٹیبل پر سروس تھی وہ مجھ سے خوش ہو گئے ان کے ساتھ ان کی بیوی نہیں تھی۔ ابا نے بل پے کرنے کے لیے والٹ نکالا تو اس میں پیسے کم تھے۔ میں نے ان کا بقایا بل پے کیا۔ تب مجھے پتا چلا ابا کی ساری دولت نئی بیوی نے کھا پی کر ختم کر دی۔ باقی بچا ابا کا غصہ جو صبح شام اماں اپنے کمزور ناتواں جسم پر برداشت کرتیں۔ بھوکی پیاسی میری کمزور ماں...... میں جس دن گھر گیا اس دن ابا کا گھر بک رہا تھا۔ میرے ایک دوست نے وہ قرقی رکوائی۔ یوں میں اس گھر میں کسی شہزادے کی طرح داخل ہو گیا۔ میری ماں پہلی بار اس گھر میں کسی ملکہ کی طرح سانس لے کر جاگیں۔ ان کی دعا سے میں نے اپنے اسی دوست کے ساتھ جس نے میرے مکان کی قرقی رکوائی تھی...... کیٹرنگ بزنس میں اپنی افرادی قوت دینے پر راضی ہو گیا۔ میری محنت اور اس کے سہارے سے بزنس ایک دم بھاگنے لگا۔ میں نے نئے سرے سے گھر بنایا۔ جمال نے اپنا یہاں کا بزنس میرے ہاتھ فروخت کر دیا اور سرمایہ لے کر انگلینڈ میں اسی کی ایک برانچ کھول لی۔''

وہ سانس لینے کو رکا اور مجھے لگا سوال گندم اور جواب چنا آ رہا تھا...... جیسے وہ کہانی میں اترتے ہوئے بے ربط ہو گیا تھا۔

''میں بے ربط نہیں ہو رہا اصل کہانی کی طرف آ رہا ہوں۔'' وہ میرے تاثرات سے جیسے جان گیا ہو۔

''مجھے بات، بات پر غصہ آ جاتا تھا جب ابا کو دیکھتا اپنے بڑے بھائیوں کو کولہو کے بیل کی طرح اپنے

گرد چکر لگاتے دیکھتا ابا کو اماں کے ساتھ چیختے چلاّتے دیکھتا۔ ابا دراصل شروع سے ہی اماں کے ساتھ سیٹ نہیں تھے کوئی کامپلیکس تھا جو اُن کے اندر سے اٹھ کر ان کے پورے وجود کو ڈھک دیتا ایسے کہ پھر ابا خود سے سانس بھی نہ لے پاتے ابا بس زندہ لگتے تھے ورنہ اگر کوئی زندہ تھا تو ان کا کامپلیکس ان سے کہیں زیادہ طاقتور اور جی دار تھا۔ اس دن بھی میری آنکھ ایک ہنگامے سے کھلی میں لاؤنج سے بھاگ کر اپنے کمرے میں گیا تو اماں زمین پر بے یار و مددگار سی بیٹھی تھیں۔

''کیا ہوا ہے اماں......؟''

''دیکھ یہ ہے تیری ماں...... تیری الماری سے پیسے چراتے ہوئے پکڑا ہے میں نے۔''

''ابا......!'' میں صدمے سے بس ان کا نام چیخ سکا، یہ ایک ایسی چیخ تھی جیسے کوئی دھواں، دھواں کمرے میں سانس لینے پر مجبور کیا جائے۔ اور اسے فیصلہ کرنا پڑے وہ سانس نہ لے تو دل بند ہو جائے اور سانس لے تو بھی موت یقینی ہے۔

''ناصر تو نے تو کہا تھا جو میرا ہے سب آپ کا ہے...... میں نے تو بس دو ہزار لیے تھے۔''

''اماں...... نہ بولو ایسے، مجھے شرمندہ کرنے کے لیے ابا کافی ہیں۔'' میں نے اماں کو اپنے سینے سے بھینچ لیا تھا۔ ''سب کچھ تمہارا ہے اماں اور پیسے چاہئیں تو اور لے لو۔''

''نہیں ناصر...... بس اتنے ہی چاہیے تھے۔ اماں اور ابا کی برسی کے لیے کھانا پکا کر غریبوں میں بانٹنا چاہتی تھی۔ چالیس سال میں ایک بار بھی ان کے نام کی ختم فاتحہ نہیں کی۔ کبھی اتنے پیسے ہاتھ میں ہی نہیں آئے۔''

میں عرق، عرق ہو گیا اور ابا ایک دم اماں کا استہزا اڑانے لگے۔

''اس باپ کی ختم فاتحہ کرنا چاہتی ہے جو دَر دَر بھیک مانگتا ہوا مر گیا۔ تجھے پتا بھی ہے عزتِ نفس کیا ہوتی ہے۔''

اماں کے ہاتھ سے پیسے گر گئے وہ ایسے لگنے لگیں جیسے کسی صدمے سے ڈھے گئی ہوں۔ وہ بس مجھے دیکھے جا رہی تھیں۔

''میں بے قصور ہوں ناصر...... میں نے تو بہت چاہا ابا کی خدمت کروں، ان کے ناز اٹھاؤں پر تیرے ابا نے کہا یہ گھر صرف میرا ہے یہاں صرف وہ رہ سکتا ہے جسے میں رکھنا چاہوں۔ ابا روز شام میں آتے تو میں مسافر کی روٹی بنا کر چبوترے پر ان کا انتظار کرتی، ان کا ہاتھ دھلاتی، منہ دھلاتی کھانا پروستی پر شاہ جی کو یہ بھی پسند نہیں آیا...... بھرے محلے میں انہیں اتنا...... بے عزت کیا کہ پھر میں نے ان کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ برسوں لگتا رہا وہ کہیں ہیں زندہ ہیں پر اب...... اب تو میں اتنی بڈھی ہو گئی ہوں دل کہتا ہے کہ کہاں زندہ ہوں گے۔ مر ہی گئے ہوں گے کہیں مسافر کی موت...... ناصر بس ان کا ایک بار اچھے سے ختم دلوانا چاہتی ہوں۔'' میں ان کی باتیں حیرت زدہ ہو کر سنے جا رہا ہے۔

''اماں یہ تمہارا گھر ہے۔ تم جو کرنا چاہو کرو کوئی تمہیں روکنے ٹوکنے والا نہیں۔'' میں نے اپنا پورا نوٹوں کا بھرا ہوا والٹ ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔ باہر تمبو لگا دیے گئے اور کیٹرنگ کا سارا عملہ اماں کا مددگار بن گیا، اس پورا دن اماں، غریبوں، مسکینوں، مسافروں کو کھانا کھلاتی رہیں۔ ہر بوڑھے میں وہ اپنے ابا جی کو تلاش کرتیں ان کی آنکھوں میں بار، بار آنسو آجاتے۔'' وہ کوئی داستان سنائے جا رہا تھا۔

''اور مجھے پتا تھا اماں ساری زندگی ہفتوں، ہفتوں کے روزے اسی لیے رکھتی تھیں تاکہ ابا کی...... بے ادبی کا کفارہ ادا کر سکیں۔ اس دن شام میں جب میں اماں کے پاس تخت پر بیٹھا تھا۔ ابا نے شام کی چائے نہ ملنے پر پیالی زور سے زمین پر ماری تھی انہوں نے اماں پر ہاتھ اٹھایا اور میں چیخ پڑا۔

''ابا......'' اماں زمین پر بیٹھ گئی تھیں۔ انہوں نے اپنا سر گھٹنوں پر ٹکا دیا تھا جیسے کوئی میلے میں کھو جائے، میرا دل تڑپ سے بھر گیا میں بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

’’تیرے ابا بڑے ظالم ہیں ناصر...... پر تجھے ان پر چلاّنا نہیں چاہیے تھا بلکہ کسی پر بھی چلانا نہیں چاہیے۔‘‘ اس دن مجھے صبر کے معنی پہلی بار معلوم ہوئے اور اماں تھیں بس ایک وصیت بھرا جملہ کہہ کر اس دن مجھے دعائیں دیتے جو سوئیں تو پھر نہ اٹھیں۔ ابا کو جب یہ خبر بڑے بھائی نے دی تو ان کا یہ کہنا تھا کہ مکر کر رہی ہوگی...... چوری کرتے ہوئے پکڑا تھا میں نے۔‘‘

’’ابا...... بس کردو...... اس وقت میرا دل دو حصوں میں کٹا پڑا ہے‘ یہ نہ ہو میں آپ کا حصہ نکال کر پھینک دوں......‘‘

’’ماں کا چمچہ......‘‘ وہ بڑبڑائے لیکن اب میری عادت ہوگئی میں جب غصہ کرنا چاہتا اماں کہیں میرے دل کے اندر بولنے لگتیں۔ ’’تیرے ابا بڑے ظالم ہیں ناصر...... پر تجھے ان پر چلاّنا نہیں چاہیے تھا بلکہ کسی پر بھی چلاّنا نہیں چاہیے۔‘‘ بس تب سے میں چپ ہوگیا۔ ابا مجھے غصہ دلانے کے لیے نہ جانے کیا، کیا جتن کرتے لیکن میں انہیں اگنور کر دیتا اور بس اسی بات کو بہانا بنا کر وہ خود اولڈ ہوم میں چلے گئے۔‘‘

’’ابا ہیں وہ تمہارے، لوگ ان کے اولڈ ہوم میں چلے جانے پر باتیں بنانے لگے ہیں۔‘‘ دو ہفتے بعد بڑے بھائی نے مجھے باتیں سنائیں۔ اور میں جانتا تھا...... آنکھوں دیکھی بات کانوں سنی بات کا پرنٹنگ پریس میرے اپنے گھر میں لگا ہوا تھا، کسی کو میری برائی کرنے کے لیے چنداں ضرورت نہیں پڑتی قصہ گو خود ان کے ذہنوں میں مجھ سے منسوب کہانیاں گھسیٹر دیتے...... ابا میری وجہ سے نہیں گئے تھے لیکن جب تیسرے ہفتے میں اولڈ ہوم گیا تو ایک‘ ایک بوڑھے نے مجھے ایسے شرمندہ کیا جیسے مجھ سے بڑا ظالم کوئی نہیں تھا۔ میں نے ایک کہانی پر بھی سر اٹھا کر اختلاف نہ کیا، ان کی منتیں کی‘ ناک رگڑی اور ابا کو گھر لے آیا۔ جب سے میں نے اللہ کے کھاتے میں کھانے کا چلن شروع کیا...... اس کا ثواب انصاف سے دونوں کو بھیج رہا ہوں۔‘‘

میں اسے دیکھنے لگا اور میرے اندر سے بہت دیر سے رکا ہوا ایک سوال ابھرا۔

’’ابا کو کبھی احساس ہوا اپنی غلطیوں کا؟‘‘

’’پتا نہیں‘ کبھی اظہار نہیں کیا لیکن جب مرض الموت کا شکار تھے تو بالکل اکیلے میں مجھے بلایا، پہلی بار میرا ماتھا چوما اور بڑی بیچارگی سے بولے۔ ’’بہت نفرت کرتا ہوگا ناں تو...... میں نے بڑے ظلم کیے...... پر کیا اپنی ماں کی طرح میری قبر پر فاتحہ پڑھنے آیا کرے گا؟ میری بھی برسی‘ فاتحہ کروائے گا ناں......‘‘ مجھے رونا آ گیا میں نے سر اثبات میں ہلایا اور بس ابا بھی ایک دڑکی لگا کر مجھ سے کوسوں دور چلے گئے۔‘‘

’’اس محبت کے باوجود بھی تمہیں لگتا ہے وہ تم سے ناراض ہیں...... ایسا کیوں لگتا ہے؟‘‘

’’ہاں...... ان پر جو لاعلمی میں چلاّیا...... اس پر دل کبھی‘ کبھی کہتا ہے کہ کیا پتا ابا نے دل سے معاف نہ کیا ہو۔‘‘

’’تم سے دل سے کون ناراض رہ سکتا ہے۔‘‘

وہ مسکرایا اس کی مسکراہٹ میں درد تھا۔

’’کوئی تو ہوگا جو تم سے پیار کرتا ہوگا؟‘‘

اس کی آنکھیں چمکیں مگر اس نے پلکیں گرالیں اس کی پلکیں بہت بڑی تھیں جب ایک بار پتلی پر آجاتیں تو کوئی عکس باہر کود کر نہیں آسکتا تھا۔

لیکن مجھے لگن لگ گئی تھی اس کی آنکھوں کی چمک سے...... ایک شام جب میں اس کے ساتھ گھر میں داخل ہوا اس کے چھوٹے بھائی نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔

’’تم نے شاہی باجی کے لیے بیمہ کروایا...... کیوں کروایا؟‘‘

ایک نیا کردار......؟ میرے اندر کا رائٹر باہر نکل کر آ گیا ناصر نے مجھے یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ ہر کردار کہانی کا کردار نہیں ہوتا۔ اس کا چھوٹا بھائی دوبدو کرتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے اسی لہجے میں بولا۔

’’اسے کیا دیکھ رہے ہیں، مجھ سے بات کریں۔

''تم خود کرلو شادی...... اسٹیبلش ہو، گھر ہے، بزنس ہے کون ہاتھ پکڑے گا۔'' میں نے ایک دم کہا۔

سب کو لگتا ہے میں اپنی من مانی کرتا ہوں اس لیے نہیں چاہتا دنیا کو ان کی ہاں میں ہاں ملانے کا موقع ملے۔'' اس نے سر جھکا لیا۔

''اپنے لیے زندگی سے خود چھیننا پڑتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں تمہاری شادی کو کوئی کیسے روکتا ہے۔'' میں اسے اپنا فیصلہ سنا کر گھر آ گیا پھر رات کو میں اور جنتو چوبارے پر بیٹھے ہوئے تھے میں ناصر کی کہانی اسے سنا رہا تھا اور وہ دوپٹا منہ پر رکھے بس سکتے میں سنے جا رہی تھی، میں پلٹا تو مودی کو کھڑے پایا۔

''لوگ جھوٹ نہیں کہتے، میں کیوں مانوں وہ ایسا ہے...... تو نے ساری رنگریزی کی ہوگی۔'' مودی کا لہجہ بھرایا ہوا تھا اپنی سوچ پر کسی اچھے کو برا جاننے پر...... میں بس اسے دیکھتا چلا گیا۔ کچھ نہیں بولا دوسرے دن ہم لنچ پر ایک ہوٹل میں بیٹھے تھے جب اچانک مودی آ گیا۔

''مجھے پتا ہے مفتی سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوسکتا لیکن ناصر آئی لو یو۔''

ناصر کی آنکھوں میں اتنی جلدی نمی آئے گی مجھے اندازہ نہیں تھا وہ کھڑا ہوا اور مودی سے گلے ملنے لگا۔

''تمہاری محبت جاننے کے بعد ہوئی مفتی جانے بغیر مجھ سے محبت کرنے لگا۔''

اسے کیسے پتا چلا مودی کچھ جاننے کے بعد یہاں تک آیا ہے؟ سوال اٹھا اور وہ مسکرانے لگا۔

''کوئی شکل دیکھ کر کمر موڑنے والا ایک دم سے جپھی مارے تو گرد کہیں نہ کہیں سے کسی نہ کسی نے تو اڑائی ہوگی ناں......''

میرے ہونٹوں پر دبی، دبی سی مسکراہٹ تھی اور مودی پلان بنا رہا تھا عنایہ کو اس پارلر سے تیار کروائیں گے...... میں کہہ رہا تھا ناصر کی گرومنگ اس سلون سے ہوگی۔ اس کی بارات اور ولیمے کا سوٹ فلاں ڈیزائنر سے بنوائیں گے۔ ہم یہ ہال بک کروائیں گے، یہ کریں گے وہ کریں گے اور ناصر ہماری باتیں ایسے سن رہا تھا جیسے ہم اسے کسی فیری لینڈ کی کہانی سنا رہے تھے اس کے چہرے کی چمک چھپ، چھپ کے کیے جانے والے عنایہ کو فون...... ہم روز اس کا مذاق اڑاتے وہ ہم سے بچ، بچ کے کبھی کمرے میں، کبھی اسٹور روم میں کبھی واش روم میں چھپ کے فون کرتا...... اس دن میں نے اور مودی نے تہیہ کیا تھا اس کے بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی کو اس شادی پر قائل کر کے رہیں گے لیکن اچانک مودی بھاگا ہوا آیا۔

''ناصر اسپتال میں ہے۔''

''پاگل ہو گیا......؟'' میں نے اسے جھٹلایا لیکن پھر بھی اس کے ساتھ بھاگتا ہوا اسپتال پہنچ گیا۔

''پیر...... پھسل گیا سیڑھی سے۔''

''نہیں مفتی، انہوں نے مارا ہے میرے بھائی کو۔'' شاہی دیوانوں کی طرح چیخی تھی۔ میں ٹھنڈی بینچ پر بیٹھ گیا تھا میں یک ٹک اس کے بھائیوں کو دیکھ رہا تھا اسے ہوش آیا اور اس نے بھی یہی کہا۔

''پیر پھسل گیا تھا شاہی...... بھائیوں پر شک نہیں کرتے...... میں کون سا یوسف ہوں جو......''

''جھوٹ بول رہے ہو تم بچانا چاہتے ہو ان سب کو۔''

''میں کون ہوتا ہوں کسی کو بچانے والا...... قرابت داری کا خیال رکھنے کا حکم تو میرے آقا ﷺ کا ہے۔''

قرابت دار چاہے دھکا دے کر ماریں۔''

''کوئی کسی کو نہیں مار سکتا اس کے حکم کے آگے۔'' اس کا لہجہ نرم ہی تھا۔ شاہی باہر چلی گئی اور میں اسے دیکھنے لگا۔

''عنایہ کی شادی کروانے کا کام تیرے سپرد کر رہا ہوں۔''

''بکواس مت کر!'' میں اس پر پہلی بار چیخا لیکن میری آنکھیں ایویں ڈھونگی رونے بیٹھ گئیں۔ مودی نے بڑے، بڑے ڈاکٹر سے کنسلٹ کیا اسے بلا بھی لیا۔ بڑے بھائی کی بیوی بڑبڑانے لگی۔

یہ بیمہ پالیسی آپ میرے بچے کے نام پر بھی تو لے سکتے تھے۔ پھر شاہی باجی کیوں؟''

''یہ میرا فیصلہ ہے......وہ بہن ہے میری۔''

میرے اندر کا ابال صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا، میں تو اس کی آنکھوں کی چمک سے ایک تار جوڑ رہا تھا شاہی باجی سے لیکن اس نے ایک دم سے تصویر کے سارے رنگ مکس کر دیے۔

''بڑے بھائی آپ کی اس بات سے سخت خفا ہیں۔''

''مجھے تھوڑی دیر کہیں ایسی جگہ لے جاؤ جہاں میں سکون کی سانس لے سکوں۔'' وہ اندر جاتے جاتے پلٹ گیا۔ میں اس کے ساتھ باہر آ گیا پھر ہم ساحلِ سمندر پر بیٹھے تھے جب اس نے ایسے کہا جیسے کوئی جلا ہوا زخم چھپائے، چھپائے پھرے اور ٹھیک ہونے پر ایک کسک کی طرح اسے دیکھے۔ ''پوچھو گے نہیں شاہی کون ہے؟''

''بہنیں گھر کے باہر بیٹھ کر کیا جانے والا تذکرہ نہیں ہوتیں۔ بہنیں روح ہوتی ہیں، ان کی تعظیم کرنی چاہیے۔ چاہے اپنی ہوں یا کسی اور کی۔''

''تم پہلے شخص ہو، جس سے میں نے ایسے سنا ورنہ یہاں تو لوگوں کو چٹخارا چاہیے ہوتا ہے اپنے پرائے کی قید بھی لازمی شرط نہیں ہوتی۔'' ناصر نے میری بات کو سراہتے ہوئے لوگوں کی سفاکیت بتا ڈالی۔

''مجھے پتا ہے تم اس سے محبت کرتے ہو۔ سوال تو یہ ہے کہ سب اس سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟''

میں نے یہ بات سوچی ضرور پر کہی نہیں پھر ایک ہفتہ گزر گیا۔ اچانک وہ بھاگا ہوا اسپتال گیا ڈرائیور کے طور پر میں ہی ساتھ تھا۔ اس کی بہن کی بیٹی کو استھما کا دورہ پڑا تھا۔ وہ بالکل پاگل لگنے لگا تھا اس کی...... بے قراری، اس کی بھاگ دوڑ......اس نے ڈاکٹروں کا جمِ غفیر لگا دیا تھا۔ اس 14 سال کی بچی کے لیے وہ ایک بینچ پر بیٹھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''اسے سوفٹ ویئر انجینئر بننا ہے۔ ہر وقت پڑھائی، پڑھائی......خیال تو رکھتی ہی نہیں اپنا......مفتی میری بیٹی ٹھیک تو ہو جائے گی ناں......'' میں نے اسے دیکھا، یہ شخص ظالم کیسے ہو سکتا ہے۔

''بڑے بھائی کا بیٹا پیارا نہیں لگتا؟'' اس کی بھاگ دوڑ دیکھ کر میں نے اچانک اس سے سوال کیا۔

''ایک معصوم سے بچے سے میرا کیا بیر مفتی......''

اس نے گہری سانس لی جیسے کسی پہاڑ کے بوجھ کو بس ہلکا سا سرکایا ہو تا کہ سانس لے سکے۔

''پھر بڑے بھیا کو پیسے کیوں نہیں دیے؟''

''دیے تھے بس اپنے ہاتھ سے نہیں دیے۔ بڑے بھائی کی انا عزتِ نفس کو جھٹکا نہیں لگانا چاہتا تھا۔''

''تو اس لیے تمہارے دوست نے اتنی دریا دلی دکھائی تھی؟''

وہ کچھ نہیں بولا۔ اور اس کی بھانجی شام تک ٹھیک ہو کر آ گئی، میں ان سب کو گھر تک چھوڑنے گیا اور دروازے میں کھڑی نار کو دیکھ کر اچھل ہی تو پڑا، یہ کسی دیوتا کی داسی لگتی تھی۔ ناصر کی آنکھوں کی چمک اس کے پلکوں میں بند کردار اچھل کر خود میرے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

''یہ میری نند عنایہ ہے، میں اس کے ساتھ ناصر کا گھر بسانا چاہتی ہوں لیکن......گھر میں کوئی نہیں مانتا۔'' بہن بتا رہی تھی۔

''کیوں نہیں مانتے۔'' مجھے اچنبھا ہوا۔

شاہی اس جگہ آ کر خاموش ہو گئی تھی جیسے کوئی بات ہونٹوں تک آتے، آتے رہ جاتی ہو۔

پھر میں شاہی کے شوہر کے پاس بیٹھا تھا اس نے کہا۔ ''شاہی اور میری محبت کی شادی تھی، گھر میں اماں اور ناصر کے علاوہ کوئی اس شادی میں شامل نہیں ہوا۔ سب کو لگتا ہم ان کے معیارِ زندگی کو ٹچ نہیں کرتے، ناصر مجھ سے ملا تو اس نے کہا میں خوش ہوں...... آپ میں جدوجہد کرنے کی لگن ہے۔ میں راضی ہوں......تو صرف اپنی اماں کے ساتھ ناصر نے ہمارے نکاح میں شرکت کی۔''

اس لیے وہ اس گھر کے خلاف بغض رکھتے ہیں...... مجھے اصل صورتِ حال اب پتا چلی تھی۔

''اتنا مہنگا اسپتال ہے، ساری دولت یہی ختم ہو جانی ہے۔ ٹھنٹھل گو پال رہ جاؤ گے جی......'' مودی آستینیں چڑھا کر آگے بڑھنے لگا تو میں نے اسے روک دیا۔

''دوست کو تماشا نہ بناؤ۔'' ڈاکٹر اسے آپریشن تھیٹر میں لے گئے تھے۔ مودی مجھے دیکھتا تھا میں مودی کو۔

''یہ اسٹوپڈ بچ تو جائے گا ناں......؟'' وہ بولا۔

''مر کے دکھائے...... اپنی اور اس کی جان ایک کردوں گا۔ مرنا تھا تو ملا کیوں؟''

مودی کا رواں رواں دہاڑیں مار کر رونے لگا تھا۔ عنایہ کا سر سجدے سے نہیں اٹھتا تھا۔ مجھے اس لمحے جولیس سیزر یاد آیا جس نے اسمبلی ہال میں درجنوں کے مجمع سے اکیلے جنگ کا آغاز کر دیا تھا جو بے جگری سے لڑا تھا لیکن بروٹس کو دیکھ کر...... اپنے جگری یار کے ہاتھ میں اپنے لیے خنجر دیکھ کر جولیس نے اپنا دفاع کرنا چھوڑ دیا اس کے ہاتھ سے خنجر گر گیا تھا یہی اس نے کیا تھا وہ جی سکتا تھا لیکن اس نے جینا چھوڑ دیا تھا۔

وہ جب واپس آیا سفید رنگ میں لپٹا ہوا تھا، یہ رنگ اسے بہت پسند تھا۔ عنایہ نے اسے دیکھ کر اس کے اسٹریچر کے پاس اپنی چوڑیاں توڑ ڈالی تھیں...... میرے اندر وہ بول رہا تھا۔

''عنایہ کی شادی کروانے کا کام تیرے سپرد کر رہا ہوں۔'' میں اس کے اوپر جھکا۔ ''بکواس نہ کر۔'' میرا دل چاہا میں اسے ڈانٹوں مگر میری آنکھیں بس روئے جا رہی تھیں۔ پھر میں نے اور مودی نے اسے لحد میں اتارا یہ اس کی وصیت تھی...... اس کے دونوں بھائی یوں بلبلا رہے تھے جیسے لحد کی زمین بھی ان کی کسی جائداد کا حصہ تھی۔

میں مودی کے پاس بیٹھا تھا۔ مودی، ناصر کے پاس...... ''میرے ہاتھ ابھی تک کانپ رہے ہیں جیسے اس کا جسم ابھی تک ہاتھوں پر رکھا ہو۔''

میں نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''میرے بھی...... دوست کو قبر میں اتارنا پل صراط پر چلنے جیسا ہے، مجھے لگتا ہے میرے اندر بڑے، بڑے آبلے پڑ گئے ہیں۔''

''میرے بھی...... یہاں سے وہاں تک آبلے ہی آبلے......'' مودی نے میرے کندھے سے سر ٹکایا۔

پھر ایک ہفتے بعد اس کی وصیت کھولی گی تو لگا ڈرائنگ روم میں کسی نے ہائیڈروجن بم مار دیا ہو سب سکتے کی حالت میں وکیل کو دیکھ رہے تھے اس نے اپنے سارے ہوٹل عنایہ کے سپرد کر دیے تھے ایک کروڑ کے بیمہ کی رقم شاہی کی بیٹی کے حصے میں آئی تھی اور اسی وصیت کے مطابق اس نے یہ بھی طے کیا تھا کہ اس کی زندگی میں چلنے والا اللہ کا کھاتا کبھی روکا نہ جائے...... وہ مرنے کے بعد اپنے ماں، باپ کے لیے صدقۂ جاریہ رہنا چاہتا تھا۔ اس کی بھابیوں نے عنایہ کا نام لے، لے کر اسے وہ خطابات دیے تھے کہ اگر پہاڑ محسوس کر پاتا تو ریزہ، ریزہ ہو جاتا۔ اس کے دونوں بھائی اور بھابیاں ایسے دہاڑیں مار، مار کر روئے کہ لگا جیسے ابھی کے ابھی انہیں کسی نے بتایا ہے کہ ناصر چل بسا ہے...... میں وہاں سے باہر نکل آیا پھر میں اور مودی گاڑی میں بیٹھ رہے تھے جب شاہی پر نظر پڑی... بے ساختہ دل چاہا عنایہ کا پوچھوں میں سوچ رہا تھا کہ مودی پوچھ بیٹھا۔

''عنایہ کیسی ہے؟''

شاہی دوپٹا منہ پر ڈال کر رونے لگی۔

''پاگل ہی ہو گئی ہے، کہتی ہے ناصر کے لیے عمر بھر ایسے ہی بیٹھی رہے گی۔ اس کے بھائی سمجھا، سمجھا کر تھک گئے ہیں۔ ایسے کسی رشتے کے بغیر کسی غیر کے لیے کیسے بیٹھا جا سکتا ہے۔ وہ تو بس ایک ہی بات بولتی ہے۔ میرے دل و دماغ نے نکاح کر لیا ان سے...... ہم ضرور جنت میں ملیں گے۔''

میں نے تڑپ کر مودی کو دیکھا مودی نے مجھے اور ہم نم آنکھوں کے ساتھ وہاں سے چلے آئے ہم دونوں کی آنکھوں میں بس عنایہ اور ناصر گھوم رہے تھے۔ اور میں اس کی ادھوری پریم کہانی کا بوجھ دل پر نہیں روح پر آج بھی محسوس کرتا ہوں۔